ثقافتی تاریخ کا مطالعہ اس اختراعی توجیہہ کی کسی طور پر تائید نہیں کرتا۔

معلوم نہیں "ذہنی مسائل اور مذہبی نفسیات (اعلیٰ تصوف)" کی اس مزعومہ تاریخ کے لیے علامہ کا ماخذ کیا تھا۔

(ج) لیکن مسئلہ زمان کے ساتھ اس غیر معمولی اعتنا کی اصل وجہ یہ ہے کہ علامہ نے ملت اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کو "ارادہ مختار" کی اساس پر استوار کیا ہے اور اس اساس کی منطقی تشکیل انھوں نے برگسانی تفکیر زمانی کی بنیاد پر کی ہے۔ برگساں کا یہ نیا تصوّر نوفلاطونی فلسفی دسقیوس کی فکر زمانی کی صدائے بازگشت تھا جو اپنی نوبت میں ساسانی عہد کے آخری زمانہ کی "زروانیت" سے ماخوذ تھا۔ برگساں نے اپنی درزش تفکیر کو صرف دسقیوس سے اخذ و استفادہ تک محدود رکھا مگر علامہ کی عناں گسیختہ تخیل نے الیگزینڈر وغیرہ کی ہمراہی میں زروانیوں کے "تالہ زمان" تک پہنچنے سے پہلے دم نہیں لیا، مگر اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

بہر حال علامہ کو "فرنگ زدگی" کے طعنہ کے اندیشہ سے اصل حقیقت کو چند بے بنیاد اختراعات کے پردے میں چھپانا پڑا۔ لہذا کبھی تو اپنے "تالہ زمان" کو قرآن کی آیات سے مستخرج کرنے اور احادیث نبوی سے موید کرنے کی کوشش کی اور کبھی اس اہمیت مفرطہ کی فلسفہ اور اعلیٰ تصوف کے "لامحدود کو محدود کے اندر سمونے کی جہد مسلسل" کے مفروضہ سے تائید کی سعی فرمائی۔ اس مجمل تبصرے کی توضیحات اپنے اپنے مقام پر آئیں گی۔

کو اُکسایا کہ وہ ہرات کو فتح کرے اور اس طرح افغانستان کو جنوب مغرب کی طرف سے ایران سے جس کی پشت پناہی روس کر رہا تھا خطرہ لاحق ہوا۔ رنجیت سنگھ پہلے ہی انگریزوں کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے افغانستان کی سرحد تک پہنچ چکا تھا، اور انگریز اور روسی دونوں کابل میں اپنے نمایندے متعین کرنے پر مُصر تھے۔ اس صورت حال سے دوست محمد گھبرا گیا اور اس نے انگریزوں کی دوستی کو ترجیح دی، لیکن یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنے اثر و رسوخ کو بروئے کار لا کر رنجیت سنگھ کو اس پر آمادہ کریں کہ وہ پشاور اسے واپس لوٹا دے۔ اس کے برعکس انگریز اس مطالبے کی طرف توجہ دیے بغیر یہ چاہتے تھے کہ اپنا نمائندہ کابل میں متعین کر لیں کیونکہ وہ شاہ شجاع کے ساتھ کابل کا تخت واپس دلانے کے لیے پہلے ہی عہد و پیمان باندھ چکے تھے۔[۱] ان باتوں کے مدِ نظر انگریزوں نے پیچ در پیچ اور پُر فریب حکمت عملی مرتب کی، جس میں سندھ کے علاقہ پر تشدد، میر محراب خان کا خاتمہ اور افغانوں کے خلاف جنگ، جو سیاسی طور پر خلاف مصلحت اور اخلاقی لحاظ سے ناقابلِ حمایت تھی، شامل ہیں۔ افغانستان پر درۂ خیبر اور درۂ بولان سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا، اور سکھ فوج شجاع کے بیٹے کی سرکردگی میں درۂ خیبر سے اور وادیٔ سندھ کی فوج سر ہنری پوٹنگر کے تحت خود شجاع کی رہنمائی میں درۂ بولان سے گزرنی تھی۔ اس لیے خان قلات سے نپٹنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

لفٹننٹ لیچ کو جس نے سب سے پہلے براہوئی زبان و ادب کا مطالعہ کیا تھا خان کے ساتھ معاہدہ کرنے کے لیے بھیجا گیا، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر سر الگزنڈر برنز کو بھیجا گیا جو کامیاب ہوا اور ۲۸ مارچ ۱۸۳۹ء کو معاہدہ طے ہو گیا۔ اس معاہدہ کی رُو سے قلات کی حکومت اور سالمیت کی ضمانت دی گئی۔ خان اس بات کا ذمہ دار قرار دیا گیا کہ وہ انگریزی فوج کو ڈیڑھ

۱۔ فریزر۔ ٹیٹلر نے اپنی کتاب "افغانستان" (صفحات ۹۸ تا ۹۹) میں انگریزوں کے اختیار کردہ نامکمن رویہ کی تفصیلات دی ہیں جو قابلِ تعریف ہیں۔

لاکھ روپے کے عوض (رسد اور باربرداری کا خرچ اس کے علاوہ تھا) بحفاظت پہنچائے اور اس کے لیے اشیائے خورونوش کا بھی اہتمام کرے۔[۱] ملا محمد حسن اور سید محمد شریف اس معاہدہ کے خلاف تھے انھوں نے جوڑ توڑ کر کے خان کو معاہدہ کے خلاف اکسایا۔ میر محراب کو شجاع سے ملنے کے لیے جانے نہ دیا، اور یہ باور کرایا کہ اگر وہ ملنے گیا تو گرفتار ہو جائے گا۔ واپسی پر سر الگزنڈر برنز کو لوٹ لیا گیا۔ اُس سے دو ہزار روپے اور معاہدہ کی نقل سے محروم کر دیا گیا، اور ظاہر یہ کیا گیا کہ یہ سب کچھ خان کے اشارہ سے ہوا ہے۔ اس سے معاہدہ کرنے والی جماعتوں کے مابین رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ دونوں مشیر اپنی چال چلتے رہے۔ ایک طرف خان کو اس بات کا یقین دلاتے تھے کہ انگریز اس کی تباہی کا منصوبہ بنائے ہوئے ہیں اور دوسری جانب انگریزوں کو یہ باور کراتے تھے کہ خان مخلص نہیں۔ یہ بہتان تراشی کی چال ایسے انداز سے چلی گئی کہ انگریزوں نے اپنی اوّلیں فرصت میں خان کو سبق سکھانے کا عزم راسخ کر لیا۔[۲] چنانچہ نومبر ۱۸۳۹ء میں سر ٹامس ویل شائر قلات پر حملہ آور ہوا۔ میر دوسرے کئی سرداروں کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا۔ لیکن اس کی موت کے جلد ہی بعد سازش پکڑی گئی۔ مُلا محمد حسین کو ریاستی قیدی کی حیثیت سے سکھر میں رکھا گیا اور اس کی ساری جائداد اور ساز و سامان ضبط ہو گیا۔[۳]

انگریزوں کا حملہ، میر محراب کی موت اور میر شاہنواز خاں کی معزولی سب سے زیادہ قابلِ اعتراض واقعات تھے۔ انگریزوں کو ان کے لیے معذرت کی بھی جرأت نہ ہوئی۔[۴] لیکن نصیر،

۱۔ سی۔ یو۔ ایچیسن: Treaties and Sanads، کلکتہ ۱۹۰۹ء، ص ۲۰۹

۲۔ امپیریل گزٹیئر آف انڈیا، جلد ۶، ص ۲۷۸، ۲۷۹

۳۔ اے۔ ڈبلیو۔ ہیوگز، ص ۲۰۵

۴۔ ملاحظہ ہو سر اپیچ۔ ایم۔ ڈیورینڈ کی کتاب "پہلی افغان جنگ اور اس کے اسباب" صفحات ۲۲۷، ۲۲۸۔

ملک صالح محمد، اور ایم۔ ایس۔ بلوچ تینوں عالیہ مصنفوں نے میر محراب کو اس کے مشیرانِ کار کی بھیانک اور گھناؤنی تصویر کشی کے بعد، ہیرو بنانے کی سعی فرمائی ہے[1]۔ میر ذاتی طور پر بہادر تھا اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے مشیرانِ کار نے اکثر مرتبہ ادنیٰ حربے اختیار کیے اور ریاست کو خطرے میں ڈالا، اور خود خدمت کرنے کے مدعی بنے اور کوئی بھی اس طرزِ عمل کی تردید نہیں کر سکتا۔

اٹھارھویں صدی کے قریباً وسط سے ریاست قلات افغان حکم فرمائی کے تحت تھی اور قلات کے نام نہاد حکم فرما کو انگریزوں سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا جو ہر دلعزیز حکمران دوست محمد خاں کی بجائے انگریزوں کے محض کاسہ لیس شجاع الملک کو تخت نشین کرانا چاہتے تھے۔ یہ حقیقت یقیناً خان پر عیاں تھی۔ ان حالات میں خان کا فرض تھا کہ وہ افغانوں کی مدد کرتا۔ یہ دلیل دی جا سکتی ہے جو ایک حد تک درست ہے کہ اپنی ریاست کے اندر کچھ اپنے مشیروں کی ریشہ دوانیوں، اور زیادہ تر اپنی بے سوچی سمجھی حکمتِ عملی کے طفیل وہ ہر دلعزیز نہ رہا تھا اور اسی کے باعث وہ انگریزوں کے ساتھ ایسا معاہدہ کرنے سے انکار نہ کر سکتا تھا اور صرف اسی طرح وہ اپنے مقصد کی حفاظت بھی کر سکتا تھا۔ لیکن اس کے اس طریقِ کار کو نہ سیاسی اور نہ ہی اخلاقی لحاظ سے مناسب تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے مشیروں کو جو کہ خود افغان تھے کونسا رویّہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔ کیا اُن کو اس صورت میں بھی خان کی حمایت کرنی تھی جب کہ وہ انگریزوں کا حامی اور افغانوں کا مخالف بن جائے؟ انھوں نے ایسا نہ کیا۔ انھوں نے سب سے پہلے معاہدہ کرنے کے خیال کی مخالفت کی، کیونکہ اس سے ان کی اپنی ذات خطرے میں پڑتی تھی۔ تاہم جب معاہدہ طے پا گیا تو انھوں نے اس کی ناکامی کی ہر ممکن کوشش کی۔ انھیں اس ریاست کا وفادار ہونا چاہیے۔

۱۔ نصیر اوّل (ص ۲۳۷ تا ۲۶۲) صالح محمد ص ۱۰۳ تا ۱۰۶

ایم۔ ایس۔ خان بلوچ، ص ۹۵

تھا جس کے وہ ملازم تھے۔ لیکن انھوں نے میر محراب خاں کی بجائے، جس نے اپنا آقا تبدیل کر لیا، افغانستان اور قلات کے مابین قدیم سیاسی تعلقات کا وفادار رہنے کو ترجیح دی۔ وہ حب الوطنی کے جذبات سے عاری تھے اور انگریزوں کے برو ئے کار آنے سے پیشتر ان کا سیاسی چال چلن بالکل مضحکہ خیز تھا۔ تاہم ہم میر محراب خاں کو ایک ایسے ہیرو کا درجہ دے سکتے ہیں جس کا سیاسی کردار انگریزوں کی آمد سے پہلے اور بعد میں غیر منطقی اور غیر حق بجانب تھا۔ کم از کم خان کو یہ کرنا چاہیے تھا کہ وہ انگریزوں کو افغانستان کے ساتھ اپنے سابق اور موجودہ روابط سے آگاہ کرتا اور غیر جانبدار رہتا۔ درحقیقت اس سے جو کچھ سرزد ہوا وہ نہ صرف افغانستان ہی کے خلاف تھا بلکہ اس کی اپنی ریاست کے لیے اُس سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ ... کیونکہ اس کے بعد وہ انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کا آلہ کار بن گیا۔

انگریزوں کا حامی میر شاہنواز خاں ولد میر احمد خاں ولد میر بہرام خاں ولد میر حاجی خاں ولد میر مہابت خاں، جسے ۱۷۵۰ء میں احمد شاہ ابدالی نے میر نصیر خاں کی خاطر معزول کیا تھا، میر مہابت کی معزولی کے بعد اس کے خویش و اقارب ایک ایک کر کے تخت کے لیے جدوجہد کر رہے تھے، اس لیے میر شاہنواز شجاع الملک کی سفارش پر انگریزوں کا آلہ کار بن گیا۔ چونکہ اس کی عمر صرف چودہ سال کی تھی اس لیے لفٹننٹ لوڈے (بلوچ لبدین کہتے تھے) اس کا ایجنٹ مقرر ہوا۔ کوئٹہ اور مستونگ کے اضلاع شجاع کے سپرد ہوئے کیپٹن بینی پولیٹیکل ایجنٹ اور سردار محمد خان شاہوانی اس کا مددگار مقرر ہوا۔ کچھی کا علاقہ غربی سندھ کے پولیٹیکل ایجنٹ راس بیل، جس کا مددگار سید محمد شریف تھا، کے ماتحت کر دیا گیا۔

یہ انتظامی تبدیلیاں پوری سوچ بچار کے بعد عمل میں لائی گئی تھیں اور ان کا مقصد براہوئی مدافعانہ قوت کے امکانات کو ختم کرنا تھا۔ لیکن میر محمد حسن نے انہی تبدیلیوں کو بڑی مستعدی سے انگریزوں کے اثر کو ملیامیٹ کرنے کے لیے استعمال کیا۔ میر محمد حسن

میر محراب خاں دوم کا بیٹا تھا۔ میر محراب خاں نے اپنی خطاؤں کے باوجود دانشمندی سے کام لیا اور "خانِ اعظم" (میر نصیر خاں اوّل) کے بعد اپنے بیٹے کا نام میر نصیر خاں دوم رکھ دیا تھا۔ جب انگریزوں کے حملے کا خطرہ لاحق ہوا تو میر محراب خاں نے اپنے بیٹے کو قبائل میں فوج جمع کرنے کے لیے بھیجا۔ لیکن شہزادہ اپنی مدافعانہ قوتوں کو یکجا نہیں کر پایا تھا کہ انگریزوں نے خان پر حملہ کر دیا۔ شہزادے نے اپنے باپ کی موت کے بعد ہراساں ہونے کی بجائے اپنی مہم کو تیز تر اور وسیع تر کر دیا۔ قبیلوں نے اسے جلدی ہی اپنا حقیقی حکمران اور براہوئی آزادی کا علمبردار تسلیم کر لیا۔ چند ہی ماہ میں وڈیرہ مینگل، خورانی، ساراوان کے قبیلے اور وادی ژوب کے مری اور کاکڑ افغان انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ بغاوت اس تیزی کے ساتھ شروع ہوئی کہ انگریزی فوج کی موجودگی کے باوجود قلات میر نصیر دوم کے قبضہ میں آ گیا۔ بعد ازاں سرداروں نے اُسے اپنا خان تسلیم کر لیا اور میر شاہنواز بھاگ کھڑا ہوا۔"[1]

میر نصیر خاں دوم کو وسیع مقبولیت حاصل ہو گئی۔ اُس نے جلدی میں کھوئے ہوئے مقبوضات (کوئٹہ، مستونگ اور کچھی) کو اپنے زیرِ اقتدار لانے کی کوشش کی۔ اپنے چچا میر اعظم خاں کو قلات میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے اس نے ڈھاڈر کا رُخ کیا۔ میجر باسکا وُن نے اسے شکست دی۔ پھر انگریزی افواج کو قندھار سے کمک پہنچ گئی۔ چنانچہ جنرل ناٹ کی سرکردگی میں قلات پر حملہ ہوا اور اسے فتح کر لیا گیا۔ میر اعظم خاں بھاگ گیا اور کرنل سٹیسی قلات کا پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہوا۔ بعد ازاں جھالاوان کی فوج نے گنداوہ کو انگریزی افواج کے تصرف سے چھڑا لیا۔ لیکن گنداوہ پر دوبارہ انگریزوں ہی کا قبضہ ہو گیا۔ میر نصیر خاں نے کپنی کے مقام پر ڈیرے ڈال دیے اور بے قاعدہ لڑائی جاری رکھی۔

۱۔ ہتو رام، ص۔ ۲۳۰ تا ۲۳۲

افغانستان میں نازک صورت حال اور مری بگٹی قبائل کی شدید مزاحمت کے باعث انگریز زیادہ دیر تک خان سے خصومت کو نباہ نہ سکے اور اس کو تلخ گولی سمجھ کر نگلنا ہی پڑا۔ بیشتر اس کے کہ ان کا مزاج راہِ راست پر آتا، انھوں نے خان پر دو مزید مکارانہ حملے کیے۔ لیکن وہ اپنی توپوں کے ساتھ ڈٹا رہا۔ اسی دوران میں افغانستان میں حالات زیادہ ابتر ہوگئے حتیٰ کہ حقیقی حکمران کے ساتھ معاہدہ طے پا گیا۔ ساراوان اور کچھی (سوائے سبی) کے علاقے خان کو واپس کر دیے گئے اور بیرونی حملہ کے وقت ہر قسم کی مدد کا وعدہ کیا گیا۔ خان نے شاہ شجاع اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو نام نہاد حکم فرما تسلیم کر لیا۔ اُن کو یہ اختیار دیا کہ نازک صورت حال میں قلات کے کسی حصہ میں بھی افواج متعین کر سکتے ہیں۔ خان ان سے پہلے منظوری لیے بغیر کسی قسم کا معاہدہ نہیں کرے گا اور میر شاہنواز اور اس کے خانوادہ کے لیے پنشن مقرر کر دے گا۔[1]

اس طرح خان نے ناساز گار شرائط کے باوجود ریاست کی داخلی آزادی اور اس کے بقا کے لیے انگریزوں کی معاونت حاصل کر لی اور غالباً حالات کے تحت وہ زیادہ سے زیادہ یہی پا سکتا تھا۔ اس کے تھوڑی مدت بعد کرنل سٹیسی اور میر نصیر مریوں کے پاس گئے اور لہری میں دربار منعقد ہوا۔ مریوں نے میر نصیر دوم کو اپنا خان مان لیا۔ بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے تحت پہلا رسمی معاہدہ ۱۸۵۴ء میں خان گڑھ (موجودہ جیکب آباد) میں طے پایا۔ خان نے انگریزوں کی بالادستی تسلیم کر لی۔ وہ کسی بیرونی ملک سے آزادانہ سیاسی تعلقات استوار نہ کر سکتا تھا۔ انگریز اپنی خواہش کے مطابق قلات کو اپنے فوجی اڈہ کی حیثیت سے استعمال کر سکتے تھے۔ خان کو انگریزوں سے ۵۰ ہزار بطور وظیفہ وصول کرنا تھا۔

خان ان تمام اوصاف سے متصف تھا جو ایک خود مختار حکمران کے لیے ناگزیر ہیں لیکن انگریز کی قوت بلکہ اس سے زیادہ ان کی ہوشیاری (سرداروں کے لیے سیاسی رشوتیں جن کو عرف

۱۔ سی یو۔ ایچیسن، جلد نمبر ۹، ص ۲۱۰، ۲۱۱

عام میں وظائف کہا جاتا اور خان کی اطلاع یا منشا ر کے بغیر اُن سے معاملات طے کیے جاتے وغیرہ)، اس رجحان میں اس حد تک دخل انداز ہوگئی تھی کہ وہ اپنی مقبولیت اور قابلیت کے باوجود متذکرہ بالا ناسازگار شرائط کو قبول کرنے پر مجبور ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں کے اثر کو روکنے کا صحیح وقت مارچ ۱۸۳۹ء تھا جب میر محراب خاں دوم نے اپنے عدمِ تدبّر کی وجہ سے قلات کے مہلک معاہدہ کو طے کرنے میں بہتری سمجھی۔ اگر وہ اس میں شمولیت سے کنارہ کش رہتا تو وہی براہوئی خون جو داخلی آزادی کو دوبارہ حاصل کرنے کے بہایا گیا، خارجی آزادی کے تحفّظ کی خاطر بروئے کار لایا جا سکتا تھا یا کم از کم زیادہ سازگار یا زیادہ باعزت شرائط کے لیے گرایا جاتا۔ الغرض میر نصیر خاں دوم جو اپنے باپ پر فوقیت رکھتا تھا، اُسی کی خامیوں کا شکار ہو گیا۔[1]

میر خداداد خاں میر نصیر خاں کا سوتیلا بھائی سولہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد کے پہلے چار یا پانچ سالوں میں سرداروں اور قبیلوں کی مسلسل بغاوتیں حالات کو درہم برہم کرتی رہیں۔ مرزا احمد علی کے الفاظ میں "اس کی تخت نشینی کے فوراً بعد بلوچستان میں شدید بدامنی کا دور دورہ ہو گیا"[2] وہ ذاتی طور پر بڑا پرہیزگار تھا۔ حکمت عملی کے لحاظ سے اپنے باپ میر محراب دوم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا تھا۔ اس نے سرداروں کو کڑی نگرانی میں رکھنے کی کوشش کی۔ اپنے باپ کی طرح وہ بھی زیادہ سوچ بچار سے کام نہ لیتا تھا۔ میر خداداد خاں انگریزوں کی موجودگی کی اہمیت اور ان کی چالوں کی قوت کو سمجھنے میں بری طرح ناکام رہا۔

۱۔ ہیوگز: کنٹری آف بلوچستان، ص ۲۲۵ تا ۲۲۶
ہتو رام، ص ۲۳۳ تا ۲۳۵

۲۔ ہتو رام، ص ۲۳۴ بحوالہ مرزا احمد علی

انگریزوں کے وظیفہ خوار سرداران اس کی حاکمیت کے سامنے جھکنے کے بارے میں بہت زیادہ معزور تھے۔ اس کا اپنا چچا شیر دل خاں قلات پر قابض ہوگیا اور وہ قتل ہو جانے تک تقریباً ایک سال با اختیار رہا۔ رئیسانی، لس بیلہ کا جام، مینگل، خاران کا میر آزاد خان، جھالاوان کا سردار تاج محمد زرکزئی، بنگلزئی، کرد، زہری اور بزنجو ——— سب نے ایک نہ ایک موقعہ پر علم بغاوت بلند کیا۔ ان بغاوتوں کی وجہ سے خان نے انتقامی کارروائی کی۔ اس نے سرداروں کو گرفتار کیا۔ بعض کو مروا دیا، ان کی جائدادیں اور قبائلی زمینیں بحق سرکار ضبط کرلیں۔ طرفہ تر یہ کہ مریوں نے بڑے بے قاعدہ گروہوں کے ساتھ قلات میں تاخت و تاراج شروع کر دی۔ سندھ کے معاملات کو پہلے سر ہنری گرین جو بالائی سندھ کی سرحدوں کا پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ تھا اور بعد ازاں سر ولیم میئر کمشنر سرحدات بالائی سندھ سلجھاتے رہے۔ یہ دونوں افسر Close Border System کے قائل تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ خان اور سرداروں کے معاملات کو ہوشیاری سے طے کیا جائے۔ ان کو امدادی رقوم عنایت کی جائیں اور ان کو طرفداری سے باز رکھا جائے تاکہ وہ "فارورڈ پالیسی" (براہ راست مداخلت کی پالیسی) کے سلسلہ میں کم سے کم مخالفانہ مزاحمت کریں"[1]۔

کچھ عرصہ بعد انگریزوں نے 'فارورڈ پالیسی' پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ بنجمن ڈسرائیلی جو برطانوی سامراج کا بہت بڑا علمبردار تھا، ۱۸۷۴ء کے انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوکر وزیر اعظم بنا۔ لارڈ لٹن جو اس کے ذاتی دوستوں میں سے تھا اور اس کے

۱۔ مترجم کی کتاب (باب سوم صفحات ۳۷۹ تا ۳۸۹ اور ۴۳۳ تا ۴۳۵) میں نام نہاد Close Border System (سرحدی انتظامات کا وہ برطانوی نظریہ جس کے مطابق انگریز اپنے دائرۂ عملداری میں رہتے ہوئے صرف سرداران قبائل کو زیر اثر رکھتے تھے اور براہ راست مداخلت نہ کرتے تھے) کی ناکامی ملاحظہ کیجئے۔

سیاسی نظریات کا حامی، ہندو پاکستان میں گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا۔ ان حالات میں کیپٹن سنڈیمن جو ۱۸۶۶ء سے ڈیرہ غازی خاں میں ڈپٹی کمشنر تھا اور بلوچستان کی تبدیلیوں سے پوری طرح آگاہ تھا، اس ریجن میں براہِ راست مداخلت کی پالیسی پر عمل کرا سکا۔ غلام حسین مسوری بگٹی سرداروں اور ان کے طفیلیوں کی مخالفت کے باوجود اس مداخلت پر کم از کم مری، بگٹی اور کھیتران قبائل کا ایک عام محاذ قائم کرنے میں کامیاب ہوا جو براہ راست اس پالیسی کے جنگل میں تھے۔ اس نے تقریباً ۱۵۰۰ افراد جمع کر لیے۔ انگریزوں کا اعلیٰ جنگی سامان اور سرداروں کی امداد اُن کے مقابلہ پر زیادہ تھی۔ وہ لڑتا ہوا ۲۵۰ افراد سمیت شہید ہوا۔ وہ پہلا انسان تھا جس نے اس ریجن میں آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا۔ وہ ایک مٹھی بھر فوج کے ساتھ طاقت ور انگریزی سامراج کے مقابلے پر آیا۔ اس کی شہادت بلوچستان کی فتح کے لیے ایک اشارہ تھی۔"(۱)

کیپٹن سنڈیمن ۱۹ نومبر ۱۸۷۵ء کو قلات کی پہلی سیاسی مہم پر روانہ ہوا اور اس نے ۱۷ دنوں میں ۴۲۲ میل کی مسافت طے کی۔ وہ کسی قسم کی پابندی کا وعدہ کرنے کا مجاز نہ تھا اس لیے سیاسی اعتبار سے یہ مہم کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن اس سے اسے صورتِ حال کا حقیقی جائزہ لینے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ چند ماہ بعد ہی وہ دوسری سیاسی مہم کے لیے

۱۔ بحوالہ میرا مضمون "غلام حسین مسوری بگٹی" مطبوعہ روئداد پہلی کل پاکستان ہسٹری کانفرنس کراچی ۱۹۵۱ء صفحات ۳۶۱ تا ۳۷۰۔ اس کا اردو ترجمہ پروفیسر انعام الحق کوثر نے کیا جو ۲۸ فروری ۱۹۵۵ء کے امروز (لاہور) میں شائع ہوا۔ میں نے بہت زیادہ تگ و دو کے بعد اس عظیم شخصیت کو تاریخ کے منتشر اجزا میں سے ڈھونڈا۔

۲۔ ہتورام باب سوم صفحات ۴۰۹ تا ۴۲۲ پہلے مشن کے حالات اور اس کے نتائج صفحات ۴۲۳ تا ۴۲۵۔ دوسرے مشن کے حالات صفحات ۴۳۵ تا ۵۰۰۔

روانہ ہوا۔ اب کی بار اسے حکومتِ ہند نے معاہدہ طے کرنے کا اختیار دے دیا تھا۔ چنانچہ ۱۳ جولائی ۱۸۷۶ء کو معاہدۂ مستونگ پر دستخط ہوئے۔ جس کو بہت سراہا گیا۔ اس کے مطابق ۱۸۵۴ء کے معاہدہ کو ایک نئی شکل دی گئی۔ اس کی رو سے یہ قرار پایا کہ خان کا آزادانہ خارجی تعلقات سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ قلات میں انگریزی فوج متعین ہوگی۔ اور خان دولتِ ہند کے ہاں ایک نمائندہ بھیجے گا۔ خان اور سرداروں کے مابین جھگڑے کی صورت میں ثالثی کے فرائض صرف انگریز ادا کریں گے۔ مجوزہ ریلوے لائن اور تار برقی کا سلسلہ دونوں مملکتوں کے باہمی اعلیٰ مفاد کی خاطر ہر طرح محفوظ رکھا جائے گا، اور خان کو ۲۵ ہزار کی بجائے ایک لاکھ روپیہ سالانہ بطور وظیفہ ملے گا تاکہ وہ ذرائع آمدورفت اور قافلوں کے راستوں کی حفاظت کے لیے مزید بیرونی چوکیاں قائم کر سکے۔ ایک اور معاہدہ کی رو سے ضلع کوئٹہ یکم اپریل ۱۸۸۳ء سے ۲۵ ہزار روپے سالانہ کے عوض انگریزوں کو اجارہ پر دے دیا گیا۔ افغانستان اور ہندوستان کے ساتھ خان کے تجارتی حقوق بھی ۳۰ ہزار روپے سالانہ پر انگریزوں کو منتقل کر دیے گئے۔[۲]

۱۸۹۳ء میں خان نے یہ دعویٰ کیا کہ اُسے اپنے مستوفی فقیر محمد اور دوسروں سے حملہ کا خطرہ ہے جس میں انگریزوں کی سازباز کا شبہ بھی تھا۔ لہٰذا اسے مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے محمود خان دوم کے حق میں دست بردار ہو جائے جو زیادہ اطاعت پذیر تھا۔

میر محمود دوم کو مسند نشین کیا گیا افغانستان کا قاضی جلال الدین اس کا سیاسی مشیر مقرر ہوا۔ یہ بالکل عیاں تھا کہ اب کوئی خان انگریزی اثر کو مشتبہ نگاہوں سے نہ دیکھ سکتا تھا، خاص کر وہ خان جو انگریزی 'کمک' کے طفیل گدی پر براجمان ہوا ہو۔ لہٰذا میر محمود

۱۔ سی یو۔ ایچیسن۔ جلد ۹، ص ۲۱۵ تا ۲۱۷

۲۔ ایضاً، ص ۲۱۷، ۲۱۸

انگریزی حقوق کا مکمل طور پر حامی ہو گیا جس کی وجہ سے دولتِ ہند نے گرمجوشی سے اس کے ساتھ تعاون کیا۔ مکران اور جھالاوان کی بغاوتیں جن میں اس کے بھائی میر اعظم خان کا بھی ہاتھ تھا، اسی تعاون کے باعث کامیابی سے کچل دی گئیں۔ لیکن انگریز کوئی بھاری قیمت وصول کیے بغیر اتنی شدید حمایت نہ کر سکتے تھے، لہٰذا جولائی ۱۸۹۹ء میں خان اور انگریزوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا جس کی رُو سے ضلع نوشکی ۹ ہزار روپے سالانہ کے بدلے دوامی اجارہ داری پر دے دیا گیا۔[۱] ۱۹۰۳ء میں ایک اور معاہدہ کے تحت نصیر آباد کی نیابت دائمی اجارہ پر ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے کے عوض انگریزوں کے حوالے کر دی گئی۔[۲]

۳۱ جولائی ۱۹۱۲ء کو خان بہادر (بعد کا سر) میر شمس شاہ نے قاضی جلال الدین سے چارج لے لیا، اور بعد ازاں اُسے ریاست قلات کا وزیر اعلیٰ نامزد کر دیا گیا۔ درمیانے درجے کی اصلاحات نافذ کی گئیں۔ ریاست کے خزانہ کی شاخیں مستونگ، خضدار، زہری، سراب وغیرہ میں قائم ہوئیں۔ قلات میں حیوانات کا ہسپتال تعمیر کیا گیا۔ قلات کو سراب، بنجگور اور واد سے بذریعہ سڑک ملا دیا گیا اور چند نئے سکول کھولے گئے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں خان نے دس ہزار روپیہ نقد اور ایک ہوائی جہاز جس کی لاگت ۲۳ ہزار سات سو پچاس تھی جنگی امدادی فنڈ میں دیا۔

بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ قلات پر خان کی مکمل حکومت ہے اور اس کی حکمتِ عملی کامیاب ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہ تھی۔ قلات اگرچہ اونچے اونچے پہاڑوں میں محصور اور برِّ اعظم سے

۱۔ سی۔ یو۔ ایچیسن۔ جلد ۹، ص ۲۲۴، 225

۲۔ سبی ڈسٹرکٹ گزٹیئر (ترتیب وہندہ میجر اے۔ میکانگی)، مطبوعہ بمبئی ۱۹۰۷ء صفحات ۳۴۷ تا ۳۰۷

الگ تھلگ تھا، تاہم وہ چند اہم حلقوں اور مخصوص سلسلوں کا مالک ضرور تھا جو خود پسند خان، اس کے تحکم پسند مشیروں، اور اس کے بے بصیرت بدیسی آقاؤں کی نظروں سے اوجھل تھے۔ ایک سلسلہ مذہبی تھا جس نے ریاست کو مشرقی اور مغربی اطراف میں منسلک کر رکھا تھا۔ دوسرا مخصوص حلقہ اس کی جغرافیائی ہیئت تھی جس کی وجہ سے اس کے باشندوں میں ایک قدرتی ہم وطنی پائی جاتی تھی۔ وہ اگر ایک جگہ کو چھوڑتے بھی تھے تو وطن کی حدود سے باہر نہیں نکل پاتے تھے۔ یہ حلقے بروئے کار آگئے اور شدت سے محسوس ہونے لگے۔ ترکی کی تقسیم، مقدس مقامات کی بے حرمتی، ہندوپاکستان میں قومی بیداری، تحریک خلافت، شمس شاہ کی تحکمانہ حکمت عملی، بے بس خان کا زرخیز اور فوجی اہمیت والے علاقوں کو اجارہ داری پر دینا ـــــ ان سب واقعات نے مجموعی طور پر قلات کے براہویوں اور بلوچوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔

چنانچہ ۱۹۱۵ء میں جھالاوان کے نواب خان محمد خاں زرکزئی، سردار نورالدین مینگل، شاہباز خاں گرجناری اور سردار سلطان محمد نے خان کی خوشامدانہ حکمت عملی کے خلاف بغاوت کر دی۔ ان کی پشت پناہی ایک بہت بڑی جرّی شخصیت نورا مینگل نے کی جس میں حب الوطنی کے گراں قدر جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے جس کی مطابقت ہندوپاکستان کی آزادی کے مبلغین کے حزب مخالف سے ہوتی ہے۔ بغاوت زیادہ تر انگریز افسروں نے جن میں جنرل ڈیئر شامل تھا فرو کر دی۔ نورا مینگل گرفتار ہو گیا اور دسمبر ۱۹۱۷ء میں خاران کے نواب نے اسے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ جونہی یہ تحریک دبائی گئی براہوئی باطنی ونیا کے بڑھتے ہوئے ہیجان نے اپنے جذبات کے اظہار کے لیے ایک اور راہ تلاش کر لی۔ ایک مذہبی تحریک مشرق وسطیٰ میں خاص کر عراق میں انگریزوں کے جارحانہ حملوں کے خلاف احتجاج بلند کرنے کے لیے شروع ہوئی۔ یہ بھی دبا دی گئی۔ ۷ اہم کارکن مارے گئے اور ۹۱ مارے گئے۔ سردار نورالدین مینگل اور سردار شاہباز خاں گرجناری جنھوں نے بھی ان کی

طرفداری کی، وہ قبائلیوں کی مخالفت کے باعث تبدیل نہ کیے جا سکے، اُن کو روکنا اور بحال کرنا پڑا۔[1] ریاست کے سب باشندے سوزشِ دروں کا شکار ہو گئے اور ان کے جذبات اندر ہی اندر سلگتے رہے حتیٰ کہ یہ سوزش نواب زادہ یوسف علی خاں عزیز مگسی (۱۹۰۸-۳۵ء) کی صورتِ مجاز میں رونما ہوئی جس نے شمس شاہ کی تحکمانہ حکمتِ عملی کے خلاف جہاد کا آغاز کیا۔ شمس شاہ کو ۱۹۱۹ء میں سر کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔ وہ بالخصوص ۱۹۲۴ء کے بعد جب خان بینائی سے محروم ہو گیا، مطلق العنان حاکم کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ یوسف علی خاں نے اپنے کتابچہ "شمس گردی" میں سر شمس شاہ کے مظالم کا پول کھول کر رکھ دیا۔ اس نے کل ہند بلوچ کانفرنس منعقد کی اور سندھ کی جانب مگسی ہجرت کو منظم کیا۔[2] ۱۹۳۱ء میں خان کی وفات پر اس کا بھائی میر اعظم جان تخت نشین ہوا اور اس کی آمد سے ریاست کے حالات معمول پر نظر آتے ہیں۔

میر سر خداداد خاں کے تیسرے بیٹے میر اعظم جان نے نواب زادہ یوسف علی مگسی کی تحریک کا جواب لطف و کرم سے دیا۔ مگسی سماجی، معاشی اور سیاسی اصلاحات کا مطالبہ کر رہا تھا اور پنجاب و سندھ کے محب الوطن عناصر سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھا۔ نوابزادہ نے سندھ کی طرف مگسیوں کی وسیع پیمانے پر ہجرت کو منظم کیا تھا، جیسے کو بیج پیدا کرنے کے لیے مولانا محمد علی جوہر نے افغانستان کی جانب ہجرت ترتیب دی تھی۔ سر شمس شاہ جس نے اپنے آپ کو حد سے زیادہ غیر مقبول بنا لیا تھا اور جس کے تعلقات کبھی میر اعظم جان سے خوشگوار نہ رہے تھے وزارت کی گدی سے علیحدہ کر دیا گیا اور خان بہادر سردار گل محمد خاں وزارت پر فائز ہوا۔